حدیث و سنّت کے بارے میں چند اصولی مباحث

(از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

ایک اہل حدیث دوست نے مجھ سے حدیث کے متعلق چند اہم سوالات کیے ہیں جنھیں ذیل میں درج کر کے ان کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سوالات یہ ہیں :

" مجھے مندرجہ ذیل امور کے سلسلہ میں آپ کا نظریہ اور طریق کار معلوم کرنا ہے۔ اگر اولین فرصت میں ان کا مختصر مگر جامع جواب عنایت فرما دیں، تو ممنون ہوں گا۔ وہ امور یہ ہیں :

آپ کے نزدیک

۱۔ دین اسلام میں احادیث و سنت کا کیا مقام ہے ؟

(الف) کیا اخبار احاد ظنی ہیں (بمعنی اٹکل پچو) (ب) یہ واجب العمل ہیں یا نہ ؟

۲۔ ان سے استفادہ کرنے کا طریق کار اور اصول کیا ہیں ؟

۳۔ ائمۂ محدثین اس سلسلہ میں جو کچھ کر پائے ہیں ان کی حیثیت اور مقام کیا ہے ؟

۴۔ احادیث کے بارے میں بحیثیت جماعت جماعت اسلامی کی کیا پالیسی ہے ؟

۵۔ احادیث کے بارے میں نقد و تبصرہ اور جرح و تعدیل کا حق کس کو پہنچتا ہے ؟

۶۔ کیا کبھی جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں بھی فتنۂ انکار حدیث کے سد باب اور تحفظ احادیث و سنت رسول صلعم کے بارے میں غور کیا گیا ہے ؟

اور بالآخر شوریٰ نے کیا طے کیا ہے ؟

۷۔ احادیث و سنت رسول صلعم کے سلسلہ میں مولانا مودودی کا طرز عمل اور نظریہ ہمیشہ کیا رہا ہے ؟"

ان سوالات کے جواب بالترتیب ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

۱۔ حدیث اور سنت کا دین میں اصلی مقام واضح کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ مختصراً دو پردہ فرق

واضح کردوں جو حدیث اور سنت کے درمیان میں سمجھتا ہوں لیکن عام طور پر لوگ اس کو ملحوظ نہیں رکھتے

حدیث اور سنت کا فرق | حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے ساتھ کی جائے۔ لیکن سنت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف وہ ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے جس پر آپ نے بار بار عمل کیا ہو، جس کی آپ نے محافظت فرمائی ہو، جس کے حضور عام طور پر پابند رہے ہوں۔

سنّت معلوم کرنے کے ذرائع | اس سنت کے معلوم کرنے کے کئی ذریعے ہیں۔

اس کے معلوم کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ امت کا تواترِ عملی ہے۔ مثلاً، نماز کے اوقات اور ان کی رکعتوں کی تعداد، حج کے مراسم و مناسک کی عملی تفصیلات، زکوٰۃ کا نصاب، عیدین، اذان، قربانی، ڈاڑھی اور ختنہ وغیرہ۔ اس طرح کی ساری چیزیں امت کے تواترِ عمل سے ثابت ہیں۔ ان چیزوں کے بارے میں کوئی شخص اگر شبہ کرتا ہے تو وہ بالکل قطعیات کے بارہ میں شبہ کرتا ہے۔ اور اگر ان کا انکار کرتا ہے تو بالکل مسلمات کا انکار کرتا ہے۔ اگر وہ ان کا انکار کرسکتا ہے تو پھر قرآن کا بھی انکار کرسکتا ہے۔ کیونکہ ہم قرآن کو بھی تواتر ہی کی بنا پر مانتے ہیں۔ منکرین حدیث، جنھوں نے آج نماز کے اوقات، ان کی رکعتوں کی تعداد، حج اور قربانی اور زکوٰۃ کی مقدار کے بارہ میں بھی شبہات پیدا کرنے شروع کردیئے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ پھر وہ قرآن کو کیوں مانتے ہیں؟ آخر اس کے ماننے کے لیے ان کے پاس تواتر کے سوا اور کون سی سند ہے؟

سنت کے معلوم کرنے کا ایک ذریعہ مالکیہ کے نزدیک اہلِ مدینہ کا عمل بھی ہے۔ جس زمانہ میں مدینہ منورہ تمام بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرکز تھا، اس مبارک عہد میں عام طور پر صحابہ کرام زندگی کے مختلف معاملات میں جس طریقہ پر عمل کرتے تھے مالکیہ اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کی سیدھی سادی دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے رات دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں ان کا عمل بحیثیت مجموعی سنت سے الگ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس چیز نے ان کے یہاں اتنی اہمیت حاصل کرلی کہ حدیث کی سب سے پہلی کتاب (جو تین معتبر ترین کتابوں میں سے ایک ہے) موطا میں اس کو بحیثیت اصول کے تسلیم کیا گیا۔ اور اس طریقہ سے

معلوم شدہ سنت کو اُس علمِ سنت پر ترجیح دی گئی جو اخبار آحاد سے حاصل ہو۔ میں مالکیہ کے اس نقطۂ نظر کو قابل لحاظ سمجھتا ہوں۔

سنت کے معلوم کرنے کا تیسرا ذریعہ خلفائے راشدین کا تعامل ہے۔ یہ سنت اگرچہ خلفائے راشدین کی سنت ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو خود اپنی سنت کا درجہ دیا ہے، علیکم بسنّتی و سنة الخلفاء الراشدین (میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا)

سنت کے معلوم کرنے کا چوتھا ذریعہ احادیث ہیں، عام اس سے کہ احادیث متواترہ ہوں، یا مشہورہ، یا آحاد۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث، سنت کے معلوم کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ یہ عین سنت نہیں ہے۔ حدیث، قوی، ضعیف، حسن، غریب، موضوع، مقلوب سب کچھ ہو سکتی ہے لیکن سنت کے بارہ میں یہ سوالات نہیں پیدا ہوتے۔ سنت کہتے ہی اس کو ہیں جو ثابت اور معلوم و معروف ہو۔

دین میں سنت کا مقام | یہ سنت کتاب اللہ کے بعد ہمارے دین کا دوسرا ماخذ ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو ماخذ دین تسلیم نہیں کرتا تو میں اس کو مسلمان نہیں تسلیم کرتا۔ علاوہ ازیں دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت دینے والی چیز تو یہ سنت ہی ہے۔ اگر اس کا انکار کر دیا جائے تو پھر دین کی اپنی کوئی خاص شکل ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

سنت درحقیقت ان اصولوں کا ایک فطری مقتضیٰ ہے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر سنت کو سامنے سے ہٹا دیجیے تو قرآن ایک بازیچۂ اطفال بن کے رہ جائے گا اور ہر مسخرا اس کی آیتوں کو اپنے اغراض و اہوا کی وادیوں میں گھسیٹتا پھرے گا۔ قرآن کے اصولوں پر سنت کے سوا کوئی اور خول چڑھانا قرآن کے سارے اصولوں کو غارت کرکے رکھ دینا ہے۔ اس قامت پر صرف سنت ہی کا جامہ راست آسکتا ہے، اس کے سوا کوئی اور جامہ اس کو پہنانے کی کوشش کی گئی تو اس کا سارا حلیہ ہی مسخ ہو کے رہ جائے گا۔

اخبارِ آحاد کی حیثیت | (الف) اخبار آحاد سے جس درجہ کا علم حاصل ہوتا ہے اہل فن اس کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ خبر الواحد ما افاد الظن[1] (خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے)۔ لیکن اس سے ان کا مقصود

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام علامہ آمدی، ج ۲ ص ۴۸

ہرگز ظن بمعنی اٹکل پچو نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کی ایک اصطلاح ہے جو وہ خبر واحد سے حاصل ہونے والے علم کے لیے، خبر متواتر سے حاصل ہونے والے علم کے مقابل میں استعمال کرتے ہیں۔ خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، اس کے بالمقابل خبر واحد کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے علم یقین تو نہیں حاصل ہوتا، البتہ یہ ظن حاصل ہوتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو۔

اخبار آحاد کے متعلق اہل علم کے جو مختلف مذاہب ہیں، میں علامہ آمدی (شافعی) کی الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۴۹ سے وہ سب یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:

"ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر ان میں اس علم کی نوعیت کے بارہ میں اختلاف واقع ہوجاتا ہے۔ کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ علم سے ہماری مراد ظن ہے نہ کہ یقین۔ کیونکہ کبھی علم بول کر اس سے ظن بھی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ یعنی اگر تم ان کو مومنہ گمان کرو۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ نہ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنے والوں میں بھی اختلاف ہے۔ بعض تو اس بات کو ہر خبر واحد کی بالکل یکساں خصوصیت قرار دیتے ہیں۔ یہ مذہب بعض اہل ظاہر کا ہے اور ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی اس کی ہے۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ ہر خبر واحد میں تو یہ بات نہیں پائی جاتی لیکن بعض میں پائی جاتی ہے۔ یہ مذہب بعض اہل حدیث کا ہے۔ بقیہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے علم یقینی کسی حال میں بھی نہیں حاصل ہوتا، نہ قرینہ کے ساتھ نہ بغیر قرینہ کے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہا، احادیث آحاد کے لیے "ظنی" کا لفظ جو بولتے ہیں یہ اٹکل پچو کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ اہل فن کی ایک اصطلاح ہے جو علم یقینی کے بالمقابل استعمال ہوتی ہے۔ خبر واحد میں کمزوری کا صرف یہی ایک پہلو نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی واسطہ سے نقل ہوتی ہے بلکہ اس میں امکانات اس بات کے بھی پائے جاتے ہیں کہ ممکن ہے راوی نے بات ٹھیک ٹھیک نہ سمجھی ہو، ممکن ہے وہ صحیح طور پر اس کو محفوظ نہ رکھ سکا ہو، ممکن ہے وہ اس کو صحیح طور پر نقل نہ کر سکا ہو۔ اس وجہ سے اس سے یہ گمان تو حاصل ہوتا ہے کہ بات صحیح ہوگی، اور یہی گمان عام حالات میں غالب ہوتا ہے، لیکن اس کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعویٰ

نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسی بنا پر مالکیہ اہل مدینہ کے عمل کے مقابل میں اور حنفیہ عام زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات میں خبر واحد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور میں تلاش حق اور اتباع سنت کے نقطہ نظر سے کم از کم مالکیہ کے مسلک کو قرین احتیاط پاتا ہوں۔

اخبار آحاد کے ردّ و قبول کا صحیح معیار (ب) آپ کے اس سوال کا جواب اوپر کے جواب سے خود بخود نکل آیا۔ جن آحاد کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کی صحت کا گمان غالب ہے، ان سے قوی تر کوئی بات ان کے خلاف نہیں جا رہی ہے، قرائن ان کے حق میں ہیں نہ کہ ان کے خلاف، ان پر ان کے مقتضیٰ کے مطابق عمل نہ کرنا میرے نزدیک سنت سے بے پروائی کے ہم معنی ہے اور میں صفائی کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سے فقہاء اپنے بعض قرار دادہ اصولوں کی حمایت میں آحاد کے ساتھ جو بے اعتنائی برتتے ہیں میرا دل اس پر کبھی مطمئن نہیں ہوا۔ لیکن اگر قرائن ان کے خلاف ہیں، دوسری قوی تر چیزیں ان کے مخالف پڑ رہی ہیں، ان میں کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہے جو کسی معروف اصول دینی سے ٹکراتی ہے، معاملہ کا تعلق عام زندگی سے ہے لیکن روایت صرف ایک ہی واسطہ سے ہے، صحابۂ کرام کے دور میں عام عمل اس کے خلاف رہا ہے، تو ایسی حدیث پر عمل کے لیے اصرار بلکہ مجادلہ کرنا اس احتیاط اور تلاش حق کے بالکل منافی ہے جس کے التزام و اہتمام کی شریعت میں تاکید کی گئی ہے۔ اس سے معاملات دین میں وہ تساہل پیدا ہوتا ہے جو بالآخر آدمی کو صحت اور عدم صحت کے اہتمام سے بالکل ہی بے پروا کر دیتا ہے اور وہ کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع کے درجہ تک گر جاتا ہے۔ اور میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے متبعین حدیث کے اس غلو فی الآحاد سے بھی ہمیشہ شکوہ رہا ہے۔

احادیث سے استفادہ کرنے کے لیے پہلی شرط ۲۔ احادیث سے صحیح طور پر استفادہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی دین میں ان کی صحیح جگہ متعین کرے۔ دین میں ان کی اصلی جگہ قرآن کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے یا اس کے برابر۔ اگر کوئی شخص یہ ترتیب الٹ کر ان کو قرآن سے پہلے کر دے یا قرآن کے برابر کر دے تو وہ اس غلو میں مبتلا ہو جائے گا جس میں اہل ظاہر مبتلا ہوئے جنھوں نے ہر حدیث کو حدیث متواتر بنا کے رکھ دیا۔ اصل یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک ہی کے ساتھ تعصب صحیح نہیں ہے، اس سے

تفریق بین الرسل کا فتنہ پیدا ہوتا ہے جس طرح خلفائے راشدین اور آئمہ مجتہدین میں سے کسی ایک ہی پر جم جانا قرین حق نہیں ہے، اس سے تحزب اور تشیع نے جنم لیا، اسی طرح میں اس بات کو بھی صحیح نہیں سمجھتا کہ آدمی دین کے ماخذوں اور شریعت کے اصولوں میں سے کسی ایک کے تعصب میں مبتلا ہو جائے۔ یہ تعصب آدمی کو یک چشم بنا دیتا ہے اور اس یک چشمی میں مبتلا ہو جانے کے بعد اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں رہ جاتا کہ وہ دوسرے اصولوں اور ماخذوں کا بھی کماحقہ احترام کر سکے اور دین میں ان کا جو درجہ ہے اس کو ملحوظ رکھ سکے۔ دین کے ماخذوں میں سے قرآن بھی ہے، سنت بھی ہے، اجماع بھی ہے، قیاس بھی ہے اور ان میں درجات کی ترتیب خود شارع نے قائم کر دی ہے۔ ہر دینی حمیت رکھنے والے مسلمان کا فرض ہے کہ ان کے درجات کی ترتیب کے لحاظ سے ان سب کا احترام کرے اور اخذ دین میں اسی ترتیب کے مطابق ان سب سے رہنمائی حاصل کرے۔ ان میں سے کسی ایک کے لیے کوئی خاص قسم کا تعصب پیدا کر لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ کسی شخص کے لیے اہل قرآن بننے کی کوئی معقول وجہ ہے، نہ کسی کے لیے خاص طور پر حدیث کے تعصب میں مبتلا ہو جانے کی کوئی وجہ ہے اور نہ یہ ہی بات صحیح ہے کہ کوئی شخص قیاس و اجتہاد کے آگے دوسرے ماخذ کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کرے۔ یہ سارے ہی دین کے ماخذ ہیں اور جب تک کوئی شخص تعصب سے بالکل پاک ہو کر، ان کی اصلی ترتیب کے مطابق، ان کو اپنے نظام فکر میں جگہ نہیں دے گا اس کے اندر وہ عدل و توازن نہیں پیدا ہو سکتا جو صحیح فہم دین کے لیے سب سے مقدم شے ہے۔ جو لوگ صرف قرآن کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور حدیث یا اجماع یا قیاس کو اہمیت نہیں دیتے وہ قرآن سے کبھی صحیح فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسی طرح جو لوگ حدیث ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور نہ قرآن اور اجتہاد کو نظر انداز کرتے ہیں، میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہوں گا کہ وہ قرآن تو درکنار خود حدیث کے فہم سے بھی محروم رہیں گے۔

اسی حقیقت کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رسالہ الانصاف میں اشارہ فرمایا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں معالم السنن کے حوالہ سے ابو سلیمان خطابی کے مندرجہ ذیل خیالات نقل کیے ہیں:

"ہمارے زمانہ کے اہل علم دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک اصحاب حدیث و اثر ہیں۔ دوسرے ارباب فقہ و نظر۔ جہاں تک ان دونوں کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے درجہ میں کم

نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث بمنزلہ بنیاد کے ہے اور فقہ بمنزلہ عمارت کے۔ جس طرح وہ عمارت جو بغیر بنیاد کے بنائی جائے گی، گر جائے گی۔ اسی طرح وہ بنیاد جو عمارت سے محروم رہے گی، ایک ویرانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گی۔"

اِن دونوں گروہوں میں جس قسم کا تعصب پیدا ہو گیا ہے اس کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

"رہا یہ طبقۂ اہل حدیث تو ان میں سے اکثر کی جدوجہد کا منتہا صرف یہ ہے کہ حدیثیں جمع کی جائیں۔ ان کو اس سے زیادہ بحث نہیں ہے کہ یہ حدیثیں کس قسم کی ہیں۔ بسا اوقات وہ شاذ اور غریب حدیثیں بھی جمع کر لیتے ہیں جن کا بڑا حصہ بالکل موضوع یا مقلوب ہوتا ہے۔ یہ نہ تو متن کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ البتہ فقہاء پر اعتراض و نکتہ چینی اور ان پر سنت کی مخالفت کا الزام عاید کرتے رہتے ہیں اور انہیں بالکل خبر نہیں ہے کہ یہ لوگ ان کے مبلغ علم سے محروم ہیں اور ان کو برا بھلا کہہ کر اپنے آپ کو گنہگار کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد وہ ارباب فقہ کے تعصب کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے قرارداد اصولوں کی خاطر احادیث کے معاملہ میں جس بے پروائی سے کام لیتے ہیں اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

"رہا دوسرا طبقہ، یعنی ارباب فقہ و نظر کا، تو یہ حدیثوں کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔ یہ ان کے صحیح و سقیم میں امتیاز کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ جو حدیثیں ان کو پہنچی ہیں اگر وہ ان کے خیالات و نظریات کے موافق ہوئیں تو یہ ان سے اپنے حریفوں کے خلاف حجت پیش کرنے میں ذرا بھی تکلف سے کام نہیں لیں گے۔ ضعیف و منقطع روایتیں قبول کر لینے میں یہ حضرات نہایت بے پروا ہیں اور اس بے پروائی پر ان لوگوں نے کچھ ایکا سا کر لیا ہے بشرطیکہ وہ حدیثیں ان کے درمیان شہرت پکڑ جائیں اور ان کی زبانوں پر چڑھ جائیں اگرچہ ان کا ذریعہ کتنا ہی ناقابل اعتماد ہو اور ان میں راوی کی لغزش کا کتنا ہی احتمال ہو۔"

یہ اتفاق کی بات تھی کہ اس وقت تک فرقۂ اہل قرآن وجود میں نہیں آیا تھا ورنہ اس سے کہیں زیادہ دردانگیز الفاظ میں صاحب معالم السنن کو اور شاہ صاحب کو ان پر بھی تنقید کرنی پڑتی۔

یہ تمام بے راہ رویاں نتیجہ ہیں اس بات کا کہ لوگ دین کے تمام مآخذ کا ان کے حسب مراتب مشترک

احترام کرنے کے بجائے ان کو الگ الگ کر کے ان کے ناموں پر فرقے بنانے کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے پسندیدہ ماخذ کو اصل سمجھ کر دوسرے ماخذوں کو حقیر سمجھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ یہ تعصب اس قدر بڑھ گیا کہ جو عمارت چار ستونوں پر قائم کی گئی تھی اس کے متعلق ہر فرقہ کے لوگوں نے یہ دعویٰ شروع کر دیا کہ وہ ساری کی ساری تنہا اسی ستون پر قائم ہے جس کو وہ خود تھامے ہوئے ہے۔

میں نہایت ادب لیکن بڑی صفائی کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ خواہ قرآن ہو، یا حدیث، یا فقہ، ان میں سے کسی چیز سے بھی صحیح طریق پر فائدہ اٹھانا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ذہن اس تعصب کے کابوس سے آزاد ہوں۔

دوسری ضروری شرط حدیث کے ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور دوسرے لوگوں میں، اگرچہ وہ محدثین کرام اور راویان عظام کا محترم طبقہ ہی کیوں نہ ہو، فرق کرے۔ نیز قرآن میں اور دوسری کتابوں میں، اگرچہ وہ حدیث کی طبقۂ اولیٰ کی کتابیں ہی کیوں نہ ہوں، امتیاز کرے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح راویان حدیث اور محدثین کو بھی معصوم مانتا ہے، یا قرآن مجید کی طرح حدیث کی کتابوں میں سے بھی کسی کتاب کو ہر غلطی سے مبرا قرار دیتا ہے تو وہ شخص حدیث سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ احادیث کی یہ کتابیں بہرحال بیشتر آحاد ہی پر مبنی ہیں اور آحاد کے متعلق اہل فن کی جو رائیں ہیں وہ اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ اس علم کے بہتر سے بہتر لوگوں کے ذریعے سے مدوّن و مرتب ہونے کے باوجود بھی اس کے متعلق کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ غلطی کے شوائب سے بالکل پاک ہے۔ اس میں اس کا بھی امکان ہے کہ کسی چیز کی روایت غلط ہو گئی ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ راوی تو اپنی روایت میں بالکل سچا ہو لیکن بات کے نقل کرنے میں اسے کوئی غلط فہمی لاحق ہو گئی ہو یا وہ اس کو صحیح طور پر نقل نہ کر سکا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا بھی امکان ہے کہ محدث نے روایت کا جو درجہ قائم کیا ہے فی الواقع اس روایت کا وہ درجہ نہ ہو۔ یہ سارے ہی امکانات موجود ہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ جو شخص بھی اس بابرکت ذخیرہ سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ اہل ظاہر کی طرح آنکھیں بند کر کے اس پر نہ گرے بلکہ اس کام کی مشکلات کو اچھی طرح سمجھتا ہوا احتیاط کے ساتھ اس کو ہاتھ لگائے اور ہر چیز کو غور و فکر

اور تنقید کے ساتھ پڑھے۔

حدیث کو تنقیدی نگاہ سے پڑھنے کا مطلب ہر چیز کو غور و فکر اور تنقید کے ساتھ پڑھنے کا مطلب کوئی صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حدیث کی جو کتاب بھی آدمی اٹھائے تو جب تک اس کی پہلی حدیث کو محدثانہ تنقید کی کسوٹی پر پرکھ نہ چکے اور اس کو روایت و درایت کے ہر پہلو سے جانچ نہ لے اس وقت تک دوسری حدیث کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس طرح کی تنقید کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی یہ کسی کے لیے ممکن ہے۔ محدثین نے اس زحمت سے ہمیں بہت بڑی حد تک بچا لیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگیاں وقف کر کر کے ہمارے لیے احادیث کے ایسے مجموعے مرتب کر دئے ہیں جن کی ایک ایک حدیث تنقید و تحقیق کے مختلف چھاجوں میں پھٹکی ہوئی ہے۔ ہم جب ان مجموعوں کو اٹھاتے ہیں تو اس اعتماد کے ساتھ اُٹھاتے ہیں کہ یہ صحیح احادیث کے مجموعے ہیں اور جب ان کو پڑھتے ہیں تو ان کی بیشتر احادیث خود گواہی دیتی ہیں کہ یہ کلام رسول ہیں۔ جو شخص شک یا انکار کی بیماری میں مبتلا نہ ہو اس کے دل میں یہ وہم بھی نہیں گذرتا کہ ان میں سے کسی بات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط کر دی گئی ہے۔ بلکہ ان کے الفاظ، ان کے اسلوب، ان کے کلمات کی بلندی اور ان کے معانی کی عظمت و رفعت ہر چیز پکار پکار کر شہادت دیتی ہے کہ یہ رسول کے سوا کسی اور کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ جس شخص میں کلامِ رسول کی ممارست سے اس کے پہچاننے اور سمجھنے کا مذاق پیدا ہو چکا ہو وہ پڑھتے ہی بول اٹھتا ہے کہ بے شک یہ کلامِ رسول ہے۔ تنقید کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی ایسی حدیث آجاتی ہے جو سنتے ہی طبیعت کو کھٹکتی ہے، جو دین کے مسلمات اور شریعت کے معروفات کے خلاف معلوم ہوتی ہے جس کو عقل عام قبول کرنے سے اول وہلہ میں ابا کرتی ہے، جو تاریخ کے معلوم و مشہور واقعات کے بظاہر خلاف پڑتی ہے، جو قرآن کے واضح مفہوم سے ٹکراتی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین مرتبہ جھوٹ بولنے کی روایت، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کی آیات کے ساتھ تلک الغرانیق العلی کے الفاظ پڑھ دینے کی روایت، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو تھپڑ مار دینے کی روایت، یا اسی طرح کی بعض دوسری روایات۔ کسی شخص کے لیے بھی، جو اہلِ ظاہر کے سے غلو میں مبتلا نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے کہ اس طرح کی روایات سنتے ہوئے اپنے دل میں کم از کم خلش اور بے اطمینانی نہ محسوس کرے۔ ضرور بے اطمینانی محسوس کرے گا۔

اور جو شخص بے اطمینانی محسوس کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کے متعلق بے اطمینانی محسوس کر رہا ہے اس کی تحقیق کر کے اس کے بارہ میں اطمینان حاصل کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا بلکہ شک کے کانٹے دل میں چبھے ہوئے چھوڑ دے گا تو اندیشہ ہے کہ یہ چیز آہستہ آہستہ ایک بیماری بن کر اس کے ایمان دیقین کی جڑیں تک کھوکھلی کر دے۔ اس طرح کی جو روایتیں آدمی کے سامنے آئیں ان کے معاملہ میں صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ آدمی ان کی تحقیق کرے تحقیق کرے، میں یہ نہیں کہتا کہ جھٹ ان کا انکار کر دے۔ جو شخص ان کے انکار میں جلدی کرتا ہے میرے نزدیک وہ حدیث بلکہ سرے سے علم کے میدان کا آدمی ہی نہیں ہے۔ جو چیزیں اس اہتمام اور اس تحقیق و کاوش سے مرتب ہوئی ہیں ان کے معاملہ میں یہ سہل انگاری اور یہ جلد بازی صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو بالکل ہی احمق ہو۔ میں ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن کی طرح حدیث کے مطالعہ میں بھی ایسے مقامات بہت آتے ہیں جہاں آدمی کو اپنے قصور فہم اور اپنی کوتاہی علم کا اقرار کر کے معاملہ اللہ کے حوالہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ صرف اس وجہ سے ایک حدیث کا انکار کر بیٹھے کہ بات اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آئی ہے تو اس کا یہ انکار بالکل اسی طرح کا ہوگا جس طرح کوئی شخص قرآن مجید کی بعض آیات کا اس بنا پر انکار کر دے کہ ان کی تاویل سمجھنے سے وہ قاصر رہا ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کا کھوٹ تنقید کی کسوٹی پر کسنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے۔ ایسی چیزوں کی صحت پر خواہ مخواہ اصرار کرنا اور دور از کار تاویلات سے بات بنانے کی کوشش کرنا بحیثیت مجموعی دین کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر ان کی صحت پر اصرار کیا جائے تو ایک غلط چیز صحیح تو بننے سے رہی البتہ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث کے مخالفوں کو پورے ذخیرۂ حدیث پر بے اعتباری کا الزام لگانے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ اور اگر غور کیجیے تو حدیث کے خلاف منکرین حدیث کا اصلی حربہ ہے بھی یہی۔ وہ چند ایسی ہی حدیثوں کی آڑ لے کر جن کی تاویل ان کی سمجھ میں نہیں آئی ہے یا جن کی صحت پر بلاوجہ اصرار کیا گیا ہے، پورے ذخیرۂ حدیث ہی کو سوختنی قرار دے رہے ہیں۔

محدثین کے کارنامے کی عظمت ۳۔ ائمہ محدثین نے حدیث کے جمع و ترتیب، رجال حدیث کی جرح و تعدیل اور اصول حدیث کی تحقیق و تدوین کے سلسلہ میں جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اس کے بارہ میں اس عاجز کی مختصر رائے اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہے کہ اس کی تعریف میں جو کچھ بھی کہا جائے میں بلا کسی تکلف کے اس کو قبول

کرلوں گا۔ پس اگر مجھے کسی چیز کے قبول کرنے سے انکار ہوگا تو صرف ان کے لیے عصمت کے دعوے سے انکار ہوگا۔ اگر یہ دعویٰ نہ کیا جائے تو جس طرح سورج روشن ہے اسی طرح ہمارے محدثین کرام کے کارنامہ کی عظمت بھی روشن ہے۔ اس کارنامہ کی عظمت کا خاص پہلو جس نے ساری دنیا کو حیران کیا ہے یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس طرح کے کام کی کوئی سابق نظیر موجود نہیں تھی۔ اور اس کے بعد بھی کسی تاریخی شخصیت یا کسی دور تاریخ کے متعلق دنیا کا کوئی گروہ ایسا تحقیقی کام نہیں کر سکا ہے۔ اسلام کے بدتر سے بدتر مخالفین نے بھی محدثین کی اس بے مثال خدمت کی تحسین کی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں تمام اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں منکرین حدیث کے سوا مجھے کسی ایسے ناسپاس گروہ کا پتہ نہیں ہے جس نے محدثین کی خدمات کی تحقیر کی ہو۔

جماعت اسلامی کی پالیسی ۴۔ حدیث کے متعلق بحیثیتِ جماعت، جماعت اسلامی کی جو پالیسی ہے اس کا اندازہ آپ اس سے فرما سکتے ہیں کہ جماعت اسلامی اس ملک میں جس اسلامی دستور کے بنوانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے اس میں اس نے سنت کو کتاب اللہ کے بعد دوسرے اساسی مأخذِ قانون کی حیثیت سے تسلیم کیے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور صاف الفاظ میں یہ اعلان کر رکھا ہے کہ کوئی ایسا دستور، جس میں سنت کو ایک ماخذ اساسی کی حیثیت سے تسلیم نہ کیا گیا ہو، جماعت اسلامی ہرگز قبول نہیں کرے گی۔

قطع نظر اس سے کہ سنت کو کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ تسلیم کرنا ہمارے ایمان کا جزو ہے، ہمارے لیے اس پہلو سے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے کہ ہم اسلام کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اسلام نظام زندگی کی حیثیت اختیار کرتا ہی اس وقت ہے جب وہ سنت کے قالب میں نمودار ہوتا ہے۔ اگر اس کو سنت سے الگ کر لیجیے تو ایک نظام فکر کی حیثیت سے اس کی کتنی ہی اہمیت ہو، لیکن ایک نظام زندگی کی حیثیت سے اس کا کھڑا ہونا ممکن نہ ہوگا۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ جماعت کے نزدیک سنت صرف آمین بالجہر اور رفع یدین ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس پورے اجتماعی و سیاسی ڈھانچہ کا نام ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قائم فرمایا۔

یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث اور سنت کے خلاف اس ملک میں ایک محاذ کھول دیا گیا ہے اور اسلامی نظام زندگی کے تمام مخالفین اس محاذ پر اکٹھے ہو رہے ہیں، حکومت بھی اس کی سرپرستی فرما رہی ہے،

قادیانی بھی اس کو شہ دے رہے ہیں، یہ اُس حدیث یا سنت کی مخالفت میں نہیں ہو رہا ہے جس کے اجزائے ترکیبی صرف چند نزاعی مسائل ہیں۔ بلکہ یہ جتھہ بندی اُس سنت کے خلاف ہے جو اس امت کو ایک پورا نظامِ حیات دیتی ہے۔ ہمارے یہ مخالفین اس سنت پر براہ راست حملہ کرنے کی تو جرأت کر نہیں سکتے تھے اس وجہ سے انھوں نے حدیث کی مخالفت کے بہانہ سے اس پر حملہ کیا ہے۔ جماعت اسلامی ان کی اس چال کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور اسی چیز کو سامنے رکھ کر اس نے اپنا نقشہ جنگ مرتب کیا ہے۔ اگر اس ملک میں اسلامی دستور کی جنگ جیت لی گئی تو یہاں سنت قائم ہو کے رہے گی اور حدیث کے مخالفین اپنی موت آپ مرجائیں گے۔ لیکن خدانخواستہ اگر یہ جنگ ہاری گئی تو فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کے معرکے تو بہر حال برپا رہیں گے لیکن جس چیز کو سنت کہتے ہیں، اس شکست کے بعد اس کے قائم ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس خاص پہلو کو سامنے رکھ کر آپ احادیث سے متعلق جماعت کی پالیسی بحیثیت جماعت معلوم کر سکتے ہیں۔ ہم اقامت دین کے لیے سعی کر رہے ہیں اور اس دین کا دوسرا ضروری عنصر سنت ہی ہے۔ اس وجہ سے ہماری اس ساری جدوجہد میں وہ ایک خاص نصب العین کی حیثیت سے ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اس کے قیام کی جدوجہد میں ایک مشترک مقصد کی حیثیت سے حصہ لیں۔ رہے ایسے مسائل جن میں خود سنت کی روشنی میں مختلف نقطہ ہائے نظر ہو سکتے ہیں، ہم اُن میں جماعتی حیثیت سے کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ان کو افراد جماعت پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ جس مسلک کو اقرب الی الصواب سمجھتے ہوں اس کو اختیار کریں۔

نقدِ حدیث کے لیے معیارِ اہلیت

۴۔ احادیث پر نقد و تبصرہ یا ان کے رجال کی جرح و تعدیل ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اس کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنھوں نے اس کے لیے ضروری قابلیت بھی بہم پہنچائی ہے اور جو ثقاہت و دیانت کے پہلو سے بھی مسلمانوں کی نظر میں عزت و وقعت رکھتے ہیں۔ میں اس کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ آدمی علمی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے وزنی اور بھاری بھرکم ہو۔ جس شخص کی قرآن حکیم پر گہری نظر ہو، جس نے حدیث کی تمام معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، جو رجال سے واقف ہو، جو اصولِ حدیث

اور اصول فقہ کو اچھی طرح سمجھتا اور اجتہاد و استنباط کے طریقوں سے آشنا ہو، جو صرف جزئی مسائل ہی کا جاننے والا نہ ہو بلکہ دین پر بحیثیت مجموعی نگاہ رکھنے والا بھی ہو پھر جس زبان میں امہات دین ہیں اس زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہو کہ کسی چیز کو پورے اعتماد کے ساتھ رد یا قبول کر سکے۔ یہ ساری باتیں جس کے اندر جمع ہوں، پھر وہ اخلاقی اعتبار سے بھی اتنا بلند ہو کہ اس نے دین بازی کو اپنا مشغلہ نہ بنا رکھا ہو وہ حدیث پر نقد و تبصرہ کا اہل ہے۔ یہ منصب نہ ہر ملائے مکتبی کا ہو سکتا ہے اور نہ دفتروں کے کلرکوں کا۔

میرے نزدیک اس کے لیے اصلی معیار کسی مدرسہ یا کسی شیخ کی سند نہیں ہے۔ جو لوگ اس طرح کی چیزوں پر فخر کرتے ہیں اور جن کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں ان پر طعن کرتے ہیں، میں ان کو نہایت بر خود غلط سمجھتا ہوں۔ میں نے مدرسوں کے کتنے فارغوں اور مشایخ حدیث سے کتنے سندیں حاصل کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ انھیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ برعکس اس کے ایسے اہل علم کتنے دیکھے ہیں جو اگرچہ اس طرح کی رسمیات کے مراحل سے نہیں گذرے ہیں لیکن اپنی ذاتی جدوجہد اور اللہ کی عنایت سے انھوں نے اتنا کچھ حاصل کر لیا ہے کہ بڑی بڑی سندیں رکھنے والے ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک آدمی کے علم و فضل کی بہترین سند اور بہترین شہادت اس کے اپنے کارنامے اور اس کی اپنی خدمات ہیں۔ ہمارے اگلوں میں سے جو لوگ بھی بڑے شمار ہوتے ہیں وہ اس لیے بڑے نہیں شمار ہوتے کہ ان کے پاس بڑے بڑے مدرسوں اور بڑے بڑے مشایخ کی سندیں تھیں بلکہ اس وجہ سے بڑے شمار ہوتے ہیں کہ ان کے کارنامے بڑے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم پر ہم اس وجہ سے فخر نہیں کرتے کہ یہ شہرۂ آفاق دارالعلوموں کے سندیافتہ تھے بلکہ اس وجہ سے فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کارناموں سے دنیا کو روشن کر دیا۔ انھوں نے عزت و شہرت مدرسوں اور استادوں سے ورثہ میں نہیں پائی بلکہ ان کی نسبت سے دوسروں کو عزتِ دوام اور قبول انام کا خلعت نصیب ہوا۔ پس دیکھنے کی چیز آدمی کا وہ علم و فضل ہے جس کی شہادت اس کے اپنے کارناموں سے مل رہی ہے نہ کہ کاغذ کا کوئی پرزہ جس پر کسی فلاں ابن فلاں کی تصدیق درج ہو۔ مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے جب میں لوگوں کو اس واضح حقیقت کے سمجھنے سے قاصر پاتا ہوں۔ ایک شخص اپنے علمی و مذہبی کارناموں سے ایک عالم میں غلغلہ ڈال دیتا ہے لیکن کچھ حضرات اپنے حجروں میں بیٹھے ہوئے صرف اس تحقیق سے تسلی حاصل کرنے کی کوشش

کرتے ہیں کہ اس نے ان کی طرح کے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا ہے۔ ایک شخص کی تحریروں پر یونیورسٹیوں میں ریسرچ ہو رہی ہے اور بڑے بڑے جہابذۂ عربیت اس کی خدمات پر حیرت زدہ ہیں، لیکن بعض حضرات اسی خیال میں مگن ہیں کہ وہ تو عربی کی چند سطریں بھی سیدھی طرح سے پڑھ نہیں سکتا۔

بہرحال اس عاجز کے نزدیک اصل چیز ہر کام کے لیے اس کام کے کرنے کا سلیقہ ہے۔ اگر یہ چیز کسی اللہ کے بندے کو حاصل ہے تو وہ اس کام کا اہل ہے، کوئی پسند کرے یا نہ پسند کرے، دنیا اس کے کام کو پسند کرے گی اور مخالفوں کے علی الرغم وہ اپنا مقام پیدا کر کے رہے گا۔

حدیث کی حمایت اور جماعت اسلامی ۶۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ جب کبھی مجتمع ہوتی ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ وقت کے تمام حالات اور تمام فتنوں کا تفصیلی جائزہ لیتی ہے۔ بالخصوص وہ فتنے خاص طور پر اس کے زیر بحث آتے ہیں جو کسی نہ کسی نوعیت سے مسلمانوں کے مذہبی رجحانات کو متاثر کرنے والے ہوتے ہیں یا وہ اس ملک کے اندر اسلامی نظام کے قیام میں رکاوٹیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اوپر میں عرض کر چکا ہوں کہ جماعت اسلامی انکار حدیث کے فتنہ کو محض بعض ضلالت پسندوں کے ذاتی رجحانات کا مظہر نہیں خیال کرتی بلکہ اس کو نظام اسلامی کے خلاف ایک نہایت گہری سازش سمجھتی ہے، اس وجہ سے قدرتی طور پر یہ مسئلہ ہے ہی ایسا کہ بار بار جماعت کی مجلس شوریٰ کی توجہ اپنی طرف جذب کرے اور وہ بار بار اس پر غور کرے۔

اس غور و فکر کے نتائج جماعت کی عملی سرگرمیوں میں مندرجہ ذیل شکلوں میں نمایاں ہوئے ہیں۔

اب جماعت من حیث الجماعت اس بات کی پوری طرح نگرانی کر رہی ہے کہ سنت کے مخالفین دستور سے سنت کے لفظ کو خارج کرانے میں کسی طرح بھی کامیاب نہ ہو سکیں۔

حدیث اور سنت کی حمایت میں جماعت کے تمام اہل قلم اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق حصہ لے رہے ہیں۔ بعض مضامین لکھ رہے ہیں، بعض دوسرے اہل علم کے مضامین کے ترجمے کر رہے ہیں، بعض مستقل تصنیفیں لکھ رہے ہیں۔

جماعت کے بعض دارالاشاعتوں نے اپنی اپنی اشاعتی سرگرمیاں زیادہ تر فتنۂ انکار حدیث کے قلع قمع کے لیے خاص کر دی ہیں۔

جماعتی رسائل واخبارات اس فتنہ کا اب خاص اہتمام کے ساتھ برابر نوٹس لے رہے ہیں۔
جماعت کے بعض رسائل کا اصل مقصد ہی اس فتنہ کی بیخ کنی ہے۔
جماعت کا یہ کام بہت آگے بڑھ جاتا لیکن جو حضرات اپنے آپ کو حدیث کی خدمت کا ٹھیکہ دار سمجھے ہوئے ہیں ان کو یہ غم کھانے لگا کہ اگر جماعت نے یہ کام بھی سنبھال لیا تو پھر وہ کس چیز کا نام لے کر کچھ لوگوں کو اپنے اردگرد جمع رکھ سکیں گے۔ چنانچہ اب انھوں نے حدیث کی خدمت کا یہ نیا راستہ نکالا ہے کہ جماعت اسلامی کی مخالفت کی جائے اور مولانا مودودی کو منکرِ حدیث ثابت کیا جائے۔

آخری سوال کا جواب ۷۔ مولانا مودودی کا طرزِ عمل نہ صرف حدیث کے بارہ میں بلکہ سارے ہی دینی و اسلامی مسائل کے بارہ میں آج سے نہیں بلکہ کم و بیش ۱۸۔ ۲۰ سال سے مجھے معلوم ہے۔ اس پورے عرصہ میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے میں نے اس کا بیشتر حصہ پڑھا ہے اور آپ باور کیجیے کہ ناقدانہ پڑھا ہے۔ مجھے ان کی رایوں، ان کے نظریات اور ان کی تحقیقات سے بہت جگہ اختلاف ہے اور بعض چیزوں میں تو میرے سوچنے کا انداز ان کے سوچنے کے انداز سے بالکل ہی مختلف ہے۔ لیکن حدیث کے بارہ میں اس ۱۸۔ ۲۰ سال کے عرصے میں میں نے کبھی نہیں محسوس کیا کہ ان کا نقطہ نظر وہ ہے جو جماعت اہل حدیث کے بعض ترجمان کچھ عرصہ سے ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ میں نے ان کو شروع سے جس طرح کتاب اللہ کا خادم پایا اسی طرح سنت رسول کا بھی حامی و ناصر پایا۔ اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کی اس نصرت و حمایت میں نہ تو انھوں نے کبھی وہ معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا جو عام طور پر زمانہ سے مرعوب حضرات کا رہا ہے اور نہ انھوں نے اس مولویانہ روش کی تقلید کی جو نئے ذہن کو اپیل کرنے سے بالکل قاصر تھی۔ بلکہ وہ جب بھی حدیث کی حمایت کے لیے میدان میں اترے تو خم ٹھونک کر اترے اور معترض و مخالف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بات کی۔ ابن تیمیہ کا مقام تو بہت اونچا ہے لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مودودی صاحب نے بھی حدیث کے معاملہ میں کبھی کسی سے دب کے بات نہیں کی۔ جب بات کی تو زور دار قوت سے بات کی۔ یقین اور اعتماد کے ساتھ بات کی۔ اس جوش و جذبہ کے ساتھ بات کی جو کسی چیز پر ایک شخص کے قلبی ایمان کی شہادت دیتا ہے۔ میں نے یہ چیز ان کے لٹریچر کے صرف اسی حصہ میں نہیں محسوس کی ہے جو

جو انھوں نے منکرین حدیث کی تردید میں لکھا ہے بلکہ یہ حرارت ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر سطر کے اندر محسوس ہوتی ہے۔

میرے نزدیک تو ان کے لٹریچر کی اثر آفرینی میں بھی ان کی اس چیز کو بڑا دخل ہے کہ وہ اپنی تحریروں کو صرف قرآنی یا عقلی دلائل ہی سے مزین نہیں کرتے بلکہ ان میں تفصیل کا رنگ احادیث کی مدد سے بھرتے ہیں یہ چیز ایک طرف تو ان کی تحریروں کو غایت درجہ موثر اور دل نشین بنا دیتی ہے دوسری طرف جب ایک کھلے ذہن کا آدمی ان کو پڑھتا ہے تو قدرتی طور پر وہ اس سے یہ اثر لیتا ہے کہ احادیث میں صرف چند اختلافی مسائل ہی نہیں بیان ہوئے ہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ان کے اندر حقائق سے معمور تفصیلات بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ امر بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ وہ کسی کتاب کو بھی قرآن حکیم کے سوا یہ درجہ نہیں دیتے کہ اس کے مابین الدفتین جو کچھ بھی ہے حرف حرف حق ہی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بلاشبہ تنقید سے بالاتر مانتے ہیں لیکن محدثین کرام کے کاموں کو ان کی عظمت کے پورے اعتراف کے باوجود غلطی کے امکانات سے بری نہیں مانتے۔ وہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کو ہم پایہ قرآن نہیں تسلیم کرتے کہ اس کی کسی حدیث پر تنقید کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔ انسانوں کا کیا ہوا کوئی کام اگرچہ وہ بہتر سے بہتر لوگوں نے بہتر سے بہتر طریقہ پر کیا ہو غلطی کے امکانات سے مبرا نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر اس کو تنقید سے بالاتر بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہمارے ہاں یہ درجہ صرف قرآن حکیم کا ہے کہ وہ غلطی کے تمام امکانات سے مبرا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود بندوبست فرمایا۔

اور یہ بات تنہا مودودی صاحب ہی نہیں کہتے بلکہ پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کے سوا کوئی کتاب بھی مبرا عن الخطا نہیں ہے۔ اہل ظاہر جو خبر واحد سے بھی علم یقینی کے حصول کے قائل ہیں وہ بھی کسی کتاب کو خواہ وہ بخاری ہی کیوں نہ ہو قرآن کے برابر تو نہیں رکھ سکتے۔ اگر آج تک کسی قابل ذکر شخص نے حدیث کی کسی کتاب کے لیے عصمت کا دعویٰ کیا ہو تو اس کو سامنے لانا چاہیے کیونکہ فی الواقع یہ اس دنیا کے لیے ایک بالکل نیا انکشاف ہو گا۔ آپ نے کسی حنفی عالم سے بخاری کا درس لیا ہو تو آپ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ حضرات

جب اپنے قرار دادہ اصولوں کا معاملہ آتا ہے تو امام بخاری اور ان کی کتاب کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

پچھلے دنوں بعض اہل حدیث حضرات نے مولانا مودودی کو، ان کی ایک تقریر کے اندر بطور خود ایک جملہ بڑھا کر جس بے دردانہ طریقہ سے سب و شتم کا نشانہ بنایا اس کو میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ انھوں نے کیا قصور کیا تھا جس پر وہ اتنے غلیظ غیظ و غضب کے مستحق قرار پائے ؟ جس خاص لفظ کے استعمال پر اعتراض تھا اس کی صفائی مودودی صاحب نے کر دی کہ ان کی تقریر اس لفظ سے خالی تھی۔ اس صفائی کے بعد اسی لفظ کو ان کی طرف منسوب کیے چلے جانا اور اس کو بنیاد بنا کر تنہا انہی کو نہیں بلکہ پوری جماعت اسلامی کو ہدف مطاعن بنانا آخر حدیث کی خدمت کا کونسا پہلو ہے؟ اچھا فرض کیا کہ یہ حضرات ان کی پیش کی ہوئی صفائی قبول نہیں کرتے اور ان کو اصرار ہے کہ انھوں نے وہی لفظ کہا ہے جس سے وہ انکار کر رہے ہیں تو آخر ان کے نزدیک وہ کس سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں ؟ کیا اس سزا کے کہ ان کو دھکیل کے منکرین حدیث کی صف میں شامل کر دیا جائے اور صرف انہی کو نہیں بلکہ پوری جماعت اسلامی کو ان کے ساتھ منکر حدیث اور نہ جانے کیا کیا بنا ڈالا جائے ؟ کسی کی مخالفت میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کا ہوش و خرد اور شرم دنیا اور خوفِ آخرت سے اتنا بے پروا ہو جانا ایک بڑا ہی دل شکن اور نہایت ہی درد انگیز سانحہ ہے ! سوچیے کہ اس بات کے ممکن نتیجے کیا نکل سکتے ہیں ؟ اس کا ایک نتیجہ تو یہ متوقع ہے کہ جو لوگ اس بات کو سنیں وہ کہنے والوں کو لائق اور لپاٹیے خیال کریں اور اس کو اُس بغض و حسد پر محمول کریں جس کے لیے مولوی ان کے نزدیک ہمیشہ سے بدنام رہے ہیں کیا کوئی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی پہلو سے بھی دین کی، اہل دین کی اور اس مقدس علم (حدیث) کی جس کی حمایت و نصرت کے دعوے کے ساتھ یہ سب کچھ کیا گیا ہے کوئی خدمت ہوگی ؟ اس کا دوسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ملک کے ذہین طبقہ کے اندر اس پروپگنڈے سے فی الواقع یہ بات پھیل جائے کہ خدانخواستہ مولانا مودودی بھی حدیث کے منکر ہیں۔ کیا اس کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ نئی نسل کے ہزاروں لاکھوں تعلیم یافتہ جو مولانا مودودی کی مذہبی و علمی عظمت کے معترف ہیں اس فتنہ کے زمانہ میں مودودی صاحب سے بدگمان ہو جانے کے بجائے خود حدیث ہی سے بدگمان ہو جائیں کہ جب اتنا بڑا عالم اور لیڈر بھی جس کی عرب و عجم میں دھوم ہے، حدیث کا مخالف ہے، تو ضرور کچھ نہ کچھ حدیث ہی میں خرابی ہے اور منکرین حدیث ہی کی بات صحیح ہے۔ کیا یہ حضرات اپنی ان مساعی کے اس مبارک نتیجہ پر مطمئن ہیں ؟ یہ حدیث کی خدمت ہوئی یا اس کے ساتھ دشمنی ؟ —— کاش ان حضرات کو حدیث کی علم برداری کے ساتھ ساتھ حدیث پر عمل کی بھی توفیق ہوتی اور خوشی اور ناخوشی دونوں حالتوں میں یہ انصاف کی بات کہنے کی کوشش کرتے۔